ارشد ندیم

اسکالر،پی ایچ۔ ڈی اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد

ڈاکٹر محمد افضل حمید

استاد شعبہ اردو، گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد

سلیم آغا قزلباش کی نثری نظم: تنقیدی جائزہ

Arshad Nadeem

Schoar Ph.D Urdu, GC University, Faisalabad.

Dr. Muhammad Afzal Hameed

Associate Professor, Department of Urdu, GC University, Faisalabad.

The Prose Poem of Salim Agha Qazlbash: A Critical View

Dr. Salim Agha is a renowed name in the Urdu .He is one of the most respectable name, who nurtured the genre of "Prose poem" .He plunged into most of the literary genres and tested his potential there. It is beyond any doubt whatever his imaginative skills created that is superlative in class and construction. In the field of "Urdu Prose poem" he gained a respectable status due to his best style of writings. He portrays the colors of life and universe in his prose poems. It shows his love for nature and for life. Through this article an efforts has been made to express the critical view about his Prose poem writing.

Keywords: *Bodliar, Salim Agha Qazalbash, Dr Wazir Agha, Prose Poem, Critical View, Imaginative skills.*

اردو ادب و تنقید کا ایک اہم نام سلیم آغا قزلباش ہے۔ سلیم آغا نے اردو ادب میں تخلیقی اور تنقیدی حوالے سے متنوع جہات میں طبع آزمائی کی ہے۔ ان کے ہاں جس قدر اصناف ادب کے حوالے سے تنوع پایا جاتا ہے اسی قدر مختلف اصناف میں موضوعاتی تنوع بھی ملتا ہے۔ نثری نظم ان کی تخلیقی جہات میں سے ایک اہم جہت ہے۔

نثری نظم کی تاریخ کا جائزہ لیں تو اس صنف ادب کے ابتدائی نقوش اٹھارویں صدی عیسویں میں سامنے آتے ہیں۔ اس کی ابتدا فرانسیسی شعرا کے ہاتھوں ہوئی اور اس کی ابتدائی ساخت کی تشکیل میں بھی بنیادی کردار فرانسیسی شعرا نے ہی ادا کیا۔ بودلیر کے ہاں نثری نظم کا چلن ملتا ہے۔ انھوں نے مختلف سماجی اور رومانوی موضوعات پر نثری نظمیں تخلیق کیں۔ ۱۸۴۵ء میں بودلیر کا نثری نظموں کا مجموعہ "Le spleem the Paris" کے نام سے شائع

ہوا تو اس صنف ادب کا ارتقائی سفر بھی شروع ہوا۔ "Le spleem the Paris" کا اردو ترجمہ لئیق بابری نے " پیرس کا کرب " کے نام سے کیا۔[۱]۔ یوں نثری نظم کے آغاز کا سہرا بودلیر کے سر ہی بندھتا ہے۔ اس ضمن میں وہاب اشرفی لکھتے ہیں:

> " کتنے اہم شاعروں نے نثری نظم کی طرف توجہ کی اور اچھا خاصا سرمایہ اپنے پیچھے چھوڑ گئے۔ ان سب شعرا کو فراموش بھی کر دیجیے تو بعض ایسے شعرا رہیں گے کہ کوشش کے باوجود انھیں رد کرنا محال ہو گا۔ میری مراد بودلیر سے ہے۔"[۲]

وہاب اشرفی نے بودلیر کے علاوہ الوسیس برٹینڈ، فینی لون اور رمان تسقی کے نام بھی گنوائے ہیں تاہم وہ نثری نظم کے آغاز کے حوالے سے بودلیر کو ہی اہمیت دیتے ہیں۔ وہ اسے نثری نظم کا پہلا باقاعدہ شاعر قرار دیتے ہیں

انیسویں صدی عیسوی میں جن شعرانے نثری نظم میں طبع آزمائی کی ان میں مورس ڈیگوریس، الفونس ریب(ALPHONESS RABBE)، لوتریاموں(LOTRIAMONT)، رام بو (RIMBOUD)، ملارمے (MALLARME) کے نام شامل ہیں۔

نثری نظم کے مغرب میں ارتقا کے حوالے سے دیکھا جائے تو اس کی بنیاد میں ان کاوشوں کا عمل دخل زیادہ نظر آتا ہے جن سے مغرب میں نثری نظم سے قبل شاعرانہ پابندیوں سے آزادی کا خیال پیدا ہو چکا تھا۔ انہی کاوشوں سے وہاں "شاعرانہ نثر " بھی رواج پا رہی تھی۔ شاعرانہ نثر کے بعد آزاد نظم Verse Libere کا دور بھی مغرب میں اس حوالے سے خاص اہمیت کا حامل قرار پاتا ہے۔

ناول اور آزاد نظم کی طرح نثری نظم بھی فرانس میں ارتقائی مراحل طے کرتی ہوئی انگریزی او رپھر وہاں سے اردو میں منتقل ہوئی۔ ملارمے کی نظموں کے منظوم تراجم کیے گئے جنہوں نے بہت سے لوگوں کو نثری نظم کی طرف متوجہ کیا۔ بعدازاں اوکتایوپاز، ایمی لوویل ، ٹی ایس ایلیٹ اوردیگر کئی شعرا نے نثری نظم میں طبع آزمائی کی او راسے ایک صنف کے طور پر رائج کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ نثری نظم مشرق میں بیسویں صدی عیسوی کی چھٹی دہائی میں فروغ پائی۔ اس ضمن میں فخر الحق نوری رقم طراز ہیں:

> " ہر نومولود صنف کا ایک دم عروج پانا ممکن نہیں ہوتا۔ یہ ہی صورت حال نثری نظم کے ساتھ بھی پیش آئی۔ تاہم اس صنف میں شعرا کی طبع آزمائی جاری رہی اور یہاں تک کہ ۱۹۶۰ میں اس صنف نے باقاعدہ اپنی شناخت حاصل کرلی۔ "[۳]

اردو میں نثری نظم کے فروغ کی راہ ہموار کرنے والوں میں اوکتایو پاز کے شعری اردو تراجم نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ اوکتایو پاز کی نثری نظموں کو اردو کے قالب میں ڈھالنے والوں میں انیس ناگی ، ڈاکٹر تبسم کاشمیری ،جاوید شاہین اور زاہد ڈار کے نام نمایاں ہیں۔ ان مترجمین نے اوکتایو پاز کی نثری نظموں کو منظوم اردو میں ترجمہ کرکے اردو ادب میں اس نئی صنف کے رواج پانے میں بنیاد گزار کا کام کیا۔

اردو میں جب نثری نظم کا فروغ شروع ہوا تو اس کی مخالفت میں بھی آوازیں اٹھنا شروع ہو گئی تھیں۔ بہت سے ناقدین نے نثری نظم کی کھل کر مخالفت کی۔ یہ ناقدین نثری نظم کے اس حد تک مخالف تھے کہ اس صنف کے نام پہ بھی بہت سیخ پا ہوتے تھے۔ اسے شاعری میں چوردروازہ قرار دیا گیا۔ مخالفین کے ساتھ ایک گروہ ایسا بھی تھا جو اس صنف ادب کو نہ صرف قبول کر چکا تھا بلکہ اس کی ترویج کے لیے بھی کوشاں تھا۔ ان کی کوششوں سے اردو میں نثری نظم رواج پاتی گئی۔ اسے وقت کی ضرورت قرار دیا گیا۔ اردو میں نثری نظم کے فروغ پانے کے حوالے سے مخدوم منور لکھتے ہیں:

> " نثری نظم کی مقبولیت کے ساتھ ہی ملک میں مخالفین نے کچھ ایسا مظاہرہ کیا کہ ان سے رجعت پسندی کی بو آنے لگی۔ ہوتا یہ ہے کہ جب ادب میں کوئی تحریک پروان چڑھتی ہے، یا انقلاب رونما ہوتا ہے تو پھر وہ کسی کے دبانے سے نہیں دبتا بلکہ یہ تحریک خود اپنا راستہ ہموار کر لیتی ہے۔ یہی کچھ نثری نظم کے ساتھ پیش آیا۔"(۴)

نثری نظم آزاد نظم کی طرح ہی ہوتی ہے لیکن ان دونوں میں کچھ فرق پایا جاتا ہے۔ نثری نظم میں بحر اور وزن کی قید نہیں ہوتی۔ یہ شاعری کے ان لوازمات کی پابند نہیں ہوتی۔ اس صنف میں سب سے اہم چیز خیال آفرینی ہے۔ یہ خیال آفرینی ہی اس نظم کے قاری کو متاثر کرتی ہے۔ اس میں تخلیق کار کو اپنے خیالات وافکار کے اظہار کے لیے زیادہ آزادی حاصل ہوتی ہے۔ نثری نظم کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر علی محمد خان لکھتے ہیں:

> "یہ صنف تمام عروضی پابندیوں سے آزاد اور ہر طرح کے شعری آہنگ سے بالکل بیگانہ ہے ۔ البتہ طالع آزما اس صنف میں بھی آزاد نظم کی طرح پروازِ تخیل کا خیال رکھتے ہیں۔"(۵)

نثری نظم کی حدود وقیود اور اس کے لوازمات کے بارے میں بہت سے ناقدین کی آراء سامنے آئی ہیں۔ ان آرا میں نہ صرف اس نظم کی ہئیت اور اس کے لوازمات پر بحث ملتی ہے بلکہ اسے شعر یا نثر

میں شمار کرنے کے حوالے سے بھی ناقدین کے نقطہ نظر سے آگاہی ہوتی ہے۔بہت سے ناقدین نے اس صنف کوشاعری کی بجائے نثری کی صنف قراردیاہے۔اس ضمن میں ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی لکھتے ہیں:

> " ایسی تحریر جسے "نثری نظم "کانام دیا جارہاہے ، شعری آہنگ سے بے نیاز ہوتی ہے مگر اس میں وزن موجود نہیں ہوتااورچونکہ وزن کی شرط نظم کے لیے لازمی ہے اس لیے ہم " نثری نظم " کو نظم یاشاعری کے زمرے میں شمار نہیں کرتے۔یہی وجہ ہے کہ بعض نقادوں نے اسے " نثرلطیف" کہاہے۔"(۶)

ڈاکٹر وزیر آغانے نثری نظم کی بجائے " نثر لطیف "کانام تجویز کیا۔اس نام کو ادبی حلقوں میں پسند بھی کیا گیااور اس کی تائید بھی کی گئی۔میرزا ادیب کا شمار بھی انھی لوگوں میں ہوتاہے جو اس حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا کے ہم خیال تھے۔ڈاکٹر وزیر آغا نے اپنے ادبی جریدے " اوراق" اس صنف کو نہ صرف جگہ دی بلکہ اس کی ترویج کے لیے اوراق کے صفحات سے خوب کوشش بھی کی۔انھوں نے اس صنف کی ترویج اوراسے راہ پر چلانے کے لیے "اوراق" میں مختلف ناقدین کی آراء کو بھی شامل کیا۔" اوراق" کا مطالعہ بتاتاہے کہ اس صنف ادب کے بارے میں ناقدین نے مثبت اور منفی دونوں طرح سے کھل کر اظہار خیال کیا۔ڈاکٹر گوپی چند نارنگ کاایک طویل مضمون " اوراق" کی زینت بنا جس نے اس صنف ادب کواردو میں رواج دینے میں اہم کردار ادا کیا۔نارنگ صاحب نے نثری نظم کے حق میں مدلل گفتگو کرکے اہلِ ادب کو اس طرف راغب کیا۔جس سے اس صنفِ ادب کوجلاملی۔دیگر اہل ادب میں سے مبارک احمد، انورسدید، خالد جاوید، علی محمد فرشی ،گل صنوبراو رسلیم آغا کا شمار ان ادبا میں ہوتاہے جنھوں نے اس صنف ادب کواردو میں رائج کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔مطبوعہ کتب کے حوالے سے دیکھاجائے تو نثری نظم کی ترویج میں اہم کردار ان تنقیدی کتب کا بھی ہے جو مختلف ناقدین نے تصنیف کیں۔اس ضمن میں مخدوم منور کی کتاب " نثری نظم کی تحریک" ، ڈاکٹر فخر الحق نوری کی کتاب" نثری نظم" اوردیگر کئی کتب خاص اہمیت کی حامل ہیں۔اس کے علاوہ مختلف رسائل وجرائدخاص طورپر اکادمی ادبیات کے جریدے "ادبیات" کاایک خاص نمبر نثری نظم پر شائع ہوا۔مزید ادبی جرائد میں " اوراق" اور" الفاظ" نے اردو میں نثری نظم کو مضبوط بنیادیں فراہم کرنے میں اہم کردار اداکیا۔

اردو میں نثری نظم کو تخلیقی ا ورتنقیدی دونوں حوالوں سے جِلا بخشنے والوں میں اہم نام ڈاکٹر سلیم آغا قزلباش کا ہے۔سلیم آغا قزلباش کی ادبی تربیت ڈاکٹر وزیر آغا کی زیرنگرانی ہوئی۔وزیر آغاصاحب نہ صرف نثری نظم کے اسرار ورموز سے آگاہ تھے بلکہ انھوں نے اس صنف کی ترویج کے لیے سنجیدہ

کاوشیں بھی کیں۔ یہی تخلیقی اور تنقیدی ذوق سلیم آغا میں بھی پروان چڑھا۔ "اوراق" سے براہِ راست منسلک ہونے او ر اس کا باقاعدہ قاری ہونے کی وجہ سے سلیم آغا کو نثری نظم کے حوالے سے خاصا مفید مواد پڑھنے کو ملا جس نے ان کے اندر کے ادیب کو باہر نکالا او روہ نثری نظم کی تخلیق کی طرف متوجہ ہوئے۔ انھوں نے اس صنف ادب میں اردو کو خاصا سرمایہ فراہم کیا۔ ان کی نثری نظموں کے تین مجموعے ہوئے۔ پہلا مجموعی " زخموں کے پرند" ۱۹۹۷ میں مکتبہ نردبان لاہور سے شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ " ہے نا عجیب بات" ۲۰۰۰ میں کاغذی پیرہن لاہور سے جب کی تیسرا مجموعہ " ایک آواز" کے نام سے کاغذی پیرہن لاہور سے شائع ہوا۔ ان کی نثری نظمیں نثر اور نظم کا حسین امتزاج لیے ہوئے ایک ایسا آہنگ تشکیل دیتی ہیں جو قار ی کو اپنے سحر میں لے لیتا ہے۔

سلیم آغا کی شعری کائنات بہت وسیع ہے۔ انھوں نے نثری نظموں میں جدید عہد کے انسان کو موضوع بنایا ہے۔ جدید عہد کے انسان کا سب سے بڑا مسئلہ یہ بن چکا ہے کہ وہ زندگی کی دوڑ میں اس تیز رفتاری سے دوڑے جارہا ہے کہ اسے زندگی کے ختم ہونے کا احسا س بھی نہیں ہوتا۔ اس کی یہ دوڑ ختم نہیں ہوتی زندگی ختم ہوجاتی ہے۔ اس دوڑ میں وہ زندگی کے بے پناہ تغیرا ت سے گزرتا ہے۔ اسے زندگی ہر لمحہ بدلتی محسوس ہوتی ہے۔ یہ بدلاؤ کہیں تو نئی زندگی او رنئی توانا ئی کا باعث بنتا ہے او رکہیں انسان کو مایوسی کے گڑھے میں دھکیلنے کا سبب بھی بن جاتا ہے۔ سلیم آغا کے ہاں زندگی کے اس بدلاؤ اور اس کی تیز رفتا ری کو بڑی صراحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ انھوں نے زندگی کے بے ثباتی او راس کے ساتھ جڑی ہوئی خواہشات کی لامحدو دوسعت کو واضح کیا ہے۔ وہ زندگی کے تغیر کو ہی اس کا اصل حسن قرار دیتے ہیں۔ یہ تغیرات انسان کی زندگی کو مختلف زاویوں سے نمایاں کرتے ہیں یہاں تک اس کی زندگی کا آخری تغیر یا آخری موڑ آجاتا ہے۔ یہ آخری موڑ موت ہے۔ سلیم آغا کا تخیل یہاں اس آخری تغیر پر اس ظاہری دنیا سے آگے بڑھتے ہوئے دکھائی دیتا ہے۔ وہ اس آخری تغیر کا اس ظاہری دنیا کی زندگی کے خاتمے سے تعبیر تو کرتے ہیں لیکن اس حقیقت کو بھی عیاں کرتے ہیں کہ یہ موڑ صرف زندگی کے خاتمے پر ہی منتج نہیں بلکہ اس میں نئے سفر کے آغاز کا ہنر بھی پایا جاتا ہے۔ یہ موڑ جو ظاہری زندگی کو ختم کر رہا ہے یہ ایک نئے سفر کا آغاز بھی بن سکتا ہے۔ نظم "نیا موڑ" میں وہ لکھتے ہیں:

" موڑ
سفر کی نئی سمت
پاسکے گا دوسرا رخ

پہلے سفر کا خاتمہ
یا نئے سفر کی شروعات" (۷)

سلیم آغا کی نثری نظموں میں زندگی کو دیکھنے او رپرکھنے کا ایسا اچھوتا انداز ملتا ہے جو ان کے عہد کے دیگر شعرا کے ہاں کم ہی ملتا ہے۔ان کے ہاں گہری فکر اور تہہ داری کے ساتھ مشاہدے کی وسعت دکھائی دیتی ہے۔ایمائیت ان کی نثری نظموں کا اہم وصف قرار پاتا ہے۔وہ اشاروں ہی اشاروں میں ایسی بات کہہ جاتے ہیں جو زندگی کے ایک نئے رخ کو قاری پر آشکار کرتی ہے۔شہزاد احمد ان کی نظموں کے بارے میں لکھتے ہیں:

" انسان کسی بھی طرح اپنے باطن سے غافل نہیں ہوسکتا۔ژونگ نے کہا تھا کہ :تخلیقی اپج انسان سے زیاد ہ طاقت ور ہوتی ہے ۔سلیم آغا کی نثری نظمیں پڑھتے ہوئے ژونگ کے اس قول پر میر اایمان پختہ ہوگیا ہے۔ سلیم آغا نے سامنے کی چیزوں کو بھی اس طرح بیان کیا ہے کہ وہ نہ صرف نئی نظر آنے لگی ہیں بلکہ اہم تر بھی ہوگئی ہیں۔"(۸)

ظاہری چیزوں کو نئے ڈھنگ سے بیان کرنا او ران سے نئے مفاہیم سامنے لانا خاصا مشکل کام ہوتا ہے۔ سلیم آغا کی نثری نظموں میں اس فن پر ان کی گرفت خاصی مضبوط نظر آتی ہے۔ظاہر سے باطن تک کا سفر ان کی نظموں کا خاص موضوع ہے ۔ وہ اس سفر میں آنے والے مختلف تغیرات کو نمایاں کرنے میں خاص ملکہ رکھتے ہیں۔

سلیم آغا کی نثری نظموں میں شاعرانہ وسائل کا استعما ل ان کی نظموں کے صوتی آہنگ کو مضبوط بناتا ہے۔انھوں نے جو شاعرانہ وسائل استعمال کیے ہیں ان کے پیچھے ان کا وسیع مطالعہ ہے۔انھوں نے موپساں، چیخوف اوردیگر مغربی افسانہ نگاروں کے ساتھ ساتھ مغربی شعرا کو بھی پڑھا تھا۔ مطالعے کی وسعت نے انھیں زندگی ا ورکائنات کو نئے زاویوں سے دیکھنے کا عادی بنایا۔ نئے زاویے نادر تشبیہات اور استعارات کے ساتھ ساتھ ان کی نظموں میں صنعت حسن تقابل او رصنعت حسن طباق کے استعمال کا ذریعہ بنے۔ان کے افکار واضح او رمشاہدات خاصے وسیع ہیں۔نصیر احمد ناصر ان کی نظموں کے بارے میں لکھتے ہیں:

" سلیم آغا کی نظموں میں مرکب امیجری ، الفاظ وافکار کی پختگی اور گاڑھاپن زیادہ ہے۔"(۹)

جہاں تک مرکب امیجری کا تعلق ہے تو سلیم آغا کی نظموں میں یہ ایک اہم وصف بن کر سامنے آتی ہے۔وہ چیزوں کو مختلف زاویوں سے دیکھتے ہیں اور انھیں نظم کے قالب میں ڈھالتے وقت ان تمام زاویوں کو سامنے رکھتے ہیں۔چیزوں کو مختلف زاویوں سے دیکھنے سے ان کے کئی اسرار سامنے آتے ہیں جنھیں نظم میں سمونے کے لیے وہ مرکب امیجری کا ہنر استعمال کرتے ہیں۔وہ الفاظ کے ذریعے ایک پورا منظر نامہ تخلیق کر دیتے ہیں۔اس منظر نامے میں وہ جزئیات نگاری سے بھی خوب کام لیتے ہیں۔عام طور پر جزئیات نگاری تحریر کی روانی میں رکاوٹ کا باعث بھی بنتی ہے۔اچھا تخلیق کار انھیں رکاوٹ کی بجائے تحرک کا آلہ بناتا ہے۔سلیم آغا کی نظموں میں بھی جزئیات نگار ی نظم کو تحر ک بخشتی ہے۔ایک ہی نظم میں مناظر کی تصویر کشی ، جزئیات نگاری ، تحرک اور وسعت مشاہد ہ کس طرح سموئے جاسکتے ہیں سلیم آغا کی نظم " تتلی" اس کی عمدہ مثال ہے۔وہ لکھتے ہیں:

" تتلی ،جیسے پھولوں کی دو پتیاں
ایک ساتھ ہوا میں اڑیں
شام
سرخ لہنگا پہنے
آسمان کے پنڈال میں
سورج کے تیر کھاکر لہولہان ہورہی ہے
لہو میں شرابور وہ
ناچتی جارہی ہے.....
بستر کی ٹھنڈی سفید چادر پر
فقط سلوٹ کا
ایک مدھم نشان چھوڑ کر جاچکی تھی!" (۱۰)

یہاں ان کا استعاراتی اور تشبیہاتی فن عروج پر نظر آتا ہے۔مختلف استعارات او ر تشبیہات کے ذریعے انھوں نے ایک ایسا منظر نامہ تشکیل دیا ہے جس میں رومانویت ا ور حقیقت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے۔وہ لفظوں سے منظر کی تشکیل کرنے میں خاص مہارت رکھتے ہیں۔نظروں کی چبھن،ماتھے کا جھومر، بستر کی ٹھنڈی سفید چادر پر نیند کا لمس، دکھ ،آنسو، خواب ، سرخ شال سے کالی چادر تک کا سفر ، بوجھل قدم ، گردپوش، تتلی ،سرخ لہنگا،سورج کے تیر جیسے بے شمار استعاروں سے انھوں نے اپنی نظموں

میں مختلف مناظر کی تشکیل کی ہے۔وہ منظر کی تصویر کشی کرتے ہوئے ایسی تشبیہات اور استعارات استعمال کرتے ہیں جو منظر سے پیدا ہونے والی کیفیات کی ترسیل کا بھی باعث بنتی ہیں۔ نظم "تتلی" کی طرح سلیم آغا کی دوسری کئی نظموں میں مثلاً اکاس بیل، بے چاری ، سویٹر، بدلتے رشتے، کہانی اور ہزاروں سال بعد میں بھی یہی نامیاتی احساس موجود ہے۔یہ ان کی ایسی نظمیں ہے جو قاری کو گہری سوچ میں لے جاتی ہیں۔

سلیم آغا کی نثری نظموں کاایک اوروصف رمزوایمائیت اور اختصارہے۔وہ مختصر الفاظ میں زندگی کاکوئی بڑا فلسفہ قاری کے سامنے بیان کرجاتے ہیں اور قاری ان کی فن کی داد دیے بغیر نہیں رہ سکتا۔وہ اختصارکو نظم کے لیے لازم قراردیتے ہیں۔اختصار او ررمز وایمائیت کاآپس میں گہر اتعلق ہے۔اختصار کا وصف تب ہی پیدا ہوسکتاہے جب ایمائیت سے کام لیاجائے او ربڑے سے بڑے فلسفے کوچند اشاروں میں بیان کردیاجائے۔اس مقصد کے لیے یہ بھی لازم ہے کہ اختصار اس انداز میں نہ اختیار کیاجائے کہ قاری کوکہیں تشنگی یا عدم تکمیلیت کااحسا س ہونے لگے۔اگر ایسا ہوتاہے تونظم اپنے معیار سے گرجائے گی۔ تخلیق کار کا فن یہیں سامنے آتاہے کہ وہ اختصار بھی اختیارکرے او رجوکچھ کہنا چاہتاہے وہ سب کہہ بھی جائے۔سلیم آغا کی نثری نظموں میں یہ وصف خوب نظر آتاہے۔

انسانی زندگی دکھ سکھ کامرقع ہے۔انسان کی زندگی کاوقت کبھی ایک سا نہیں رہتا۔بچپن ،لڑکپن میں پہنچتے ہی حسین یادیں بن جاتاہے۔اسی طرح بڑھاپے کی طرف بڑھتے ہوئے انسان کے لیے زندگی اہمیت بڑھنے لگتی ہے۔یہ وقت ہی ہے جو اپنے ساتھ زندگی کی بہت سی رونقیں اور راحتیں بہالے جاتاہے۔سلیم آغا کی نظمیں زندگی کے اس زاویے کویوں نمایاں کرتی ہیں کہ وقت کی بے رحم موجیں انسان کی زندگی کوتوختم کیے جاتی ہیں لیکن اس کی خواہشات ان موجوں سے بچ نکلتی ہیں۔اس کی خواہشات سدا جوان اورتوانا رہتی ہیں یہاں تک کہ وہ موت کے منہ میں پہنچ جاتاہے لیکن خواہشات ختم نہیں ہوتیں۔سلیم آغا نے نظم " پڑاؤ" انسانی زندگی کے بچپن کے دور کو یاد کیاہے۔اس دورمیں سب اچھاہوتاہے۔ہرخواہش پوری ہوتی ہے۔سب سے محبت ملتی ہے۔جیسے جیسے وقت آگے بڑھتاہے توزندگی کی تصویر کے رنگ بدلنے لگتے ہیں۔جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی اپنوں سے گلے شکوے پید اہونا شروع ہوجاتے ہیں۔طبیعت میں جوش آجاتاہے اور پھر جب یہ وقت گزرکربڑھاپے کو دستک دیتاہے توانسان آہستہ آہستہ وقت کی دھول میں گم ہونا شروع ہوجاتاہے۔سلیم آغا نے " پڑاؤ" میں زندگی کی اسی حقیقت

کوبیان کیاہے۔وہ الفاظ کے استعمال پرخاص قدرت رکھتے ہیں اور مختلف کیفیات کوبیان کرنے کے لیے برمحل موزوں الفاظ سے نظم کو مزین کرتے ہیں۔نظم " پڑاؤ " میں وہ لکھتے ہیں:

"جب وہ انگلی پکڑ کر چلتا تھا
تو زندگی اس کے لیے
دودھ شکر سے بنی
ایک ٹافی تھی.....
تواندر کے جنگل سے
نمراہٹیں، پھنکاریں آنے لگیں
آنکھوں میں
ہر کسی سے ٹکراجانے کی تپش
آنکھ کاآشوب بن کر پھیلنے لگی" (۱۱)

سلیم آغا لفظوں کے بازی گرہیں۔انھیں الفاظ کے متنوع استعمال پر خاص قدرت حاصل ہے۔وہ الفاظ کے ذریعے قاری کے سامنے مرئی او رغیر مرئی چیزوں او رکیفیات میں کمال کا ربط پیداکرکے قاری کواپنے سحر میں جکڑ لیتے ہیں۔نغمگی ان کی نظموں کا خاص وصف قرارپاتی ہے۔ان کی نظموں میں داخل ، خارج، خواب او رحقیقت میں خوب صورت ربط ا ورہم آہنگی ملتی ہے۔یہی خوبی انھیں نثری نظموں کے ایک ایسے شاعر کے طورپر سامنے لاتی ہے جس کے ہاں خیالا ت کی ندرت کے ساتھ ساتھ نیا لہجہ او رموضوعاتی تنوع ملتاہے۔

سلیم آغا کو فطرت سے خاص لگاؤ ہے۔وہ جو تراکیب اور الفاظ نظموں میں استعمال کرتے ہیں ان سے مظاہر فطرت کی بخوبی عکاسی کرتے ہیں۔وہ فطرت کی رنگینیوں کو قرطاس پراتارنے کاہنر خوب جانتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ ان کی نثری نظموں میں ہمیں انسان اور فطرت کے مابین ہم آہنگی ملتی ہے۔سلیم آغا صاف گو اورے باک لکھاری تھے۔انھوں نے معاشرے کی تلخ حقیقتوں ، ضمیر فروشوں ، زرپرستوں ، بے بسی کا شکار ہوتے انسانوں او رعیش پرستوں کے خلاف آواز بلند کی ہے۔ان کے نزدیک تحرک ہی زندگی ہے۔بے بسی انسان کی موت کے مترادف ہے۔منشا یا د ان کی نثری نظموں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"آپ سلیم آغا کی نظموں کوچاہے جو بھی نام دیں، نثر لطیف یا نثری نظم۔مجھے
شروع ہی سے احساس رہاہے کہ کوئی بھی صنف ہواگر تخلیق کرنے والاتوانا

ہوتووہ اسے اعتبار بخش سکتاہے۔سلیم آغا نے نثری نظم کو معنوی او رفنی حوالے سے آگے بڑھایاہے۔"(۱۲)

سلیم آغا کی نثری نظموں کے پہلے مجموعے سے آخری مجموعے تک ان کا سفر ارتقائی مراحل طے کرتا نظر آتاہے۔آخری مجموعے میں شامل نثری نظموں کے مطالعہ سے ظاہرہوتاہے کہ وہ اس صنف ادب میں اپنے خیالات و افکار کے اظہار پرخاص قدر ت حاصل کرچکے ہیں۔اس مجموعے میں ان کی فکر کادائرہ زیادہ وسیع ہوتانظر آتاہے۔وہ کائنات کی وسعتوں کا مشاہد ہ کرتے اوراس وسیع کائنات میںانسان کے مقام کاتعین کرتے نظر آتے ہیں۔اس کے علاوہ انھوں نے ان نظموں میں جدید عہد کی ثقافتی صورت حال اورثقافت کے ہردم بدلتے زاویوں کونمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کی نظم " نیا شہر" اس حوالے سے خاص اہمیت کی حامل ہے۔اس نظم میںانھوں نے جدید عہد میںبدلتی ہوئی سماجی ا ورثقافتی اقدار کو موضوع بنایا ہے۔وہ اس امر کی عکاسی کرتے ہیںکہ جدید دورمیںانسان کی جگہ ٹیکنالوجی نے لے لی ہے جس کی وجہ سے انسان کی اہمیت کم او رٹیکنالوجی کو مرکزیت حاصل ہوتی جارہی ہے۔انھوں نے ان نظموں میں متضاد الفاظ کے ذریعے انسان اور ٹیکنالوجی کے فرق کو واضح کیاہے۔جدید مشینوں کی پھرتی او رچمک کی نسبت وہ انسان کی سادگی او راپنائیت کے قائل ہیں۔ان کی نظموں میں دھوپ چھاؤں، زندگی موت، سزاجزا، خوشی اور غم جیسے متضاد الفاظ جدید عہد کے انسان کی زندگی کے مختلف روپ سامنے لاتے ہیں۔وہ جدید عہد کے انسان کی ترقی کے نام پرہونے والی بے بسی کویوں بیان کرتے ہیں:

"ایک سیاہ دل کے اندر
مستورہے وہ
کھینچاہواہے اس نے
اک حصاراپنے چاروں طرف
اور چلا کاٹ رہاہے
بیٹھاہوا خلا میں" (۱۳)

یہاں انھوں نے علامتی وسیلے سے اشیاءکا حسی ادراک کیاہے۔اسطورہ سازی زندگی اورکائنات کے ادراک اور اس کی معنویت تک رسائی کا تخلیقی ا ورعلامتی وسیلہ ہے۔سلیم آغانے اس سے اپنی نظموں میں خوب کام لیاہے۔

مجموعی طورپر سلیم آغا کی نثری نظم موضوع او رفن کے حوالے سے اپنے معاصرین سے منفرد ہے۔انھوں نے جدید عہد کے انسان کے مسائل اورکائنات میں اس کے مقام کو جانچنے او رنثری نظموں کے ذریعے سامنے لانے کی کوشش کی ہے جس کی وجہ سے ان کی نظموں میں موضوعاتی وسعت او رتنوع پیداہوتاہے۔اردو میں نثری نظم کی ترویج کی میں ان کی تخلیقی او رتنقیدی کاوشیں اردو ادب و تنقید کااہم سرمایہ قراردی جاسکتی ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ لئیق بابری، بودلئیر کی نظمیں، مشمولہ ،ماہ نو، کراچی، شمارہ ۴جون ۱۹۷۹ء، ص:۱۰۔۱۱

۲۔ وہاب اشرفی، معنی کی تلاش، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۸ء، ص:۲۶۔۲۷

۳۔ فخرالحق نوری، نثری نظم، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۹ء، ص:۱۳

۴۔ مخدوم منور، نثری نظم کی تحریک، کراچی: ادبی معیار پبلی کیشنز، ۱۹۷۹ء، ص۵۸

۵۔ علی محمد خان، اشفاق احمد ورک، اصناف نظم ونثر، لاہور: الفیصل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴، ص:۱۴۹

۶۔ رفیع الدین ہاشمی، اصناف ادب، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص:۱۹۳

۷۔ سلیم آغا قزلباش، ہے نا عجیب بات، لاہور: کاغذی پیرہن، ۲۰۰۰ء، ص:۱۳

۸۔ سلیم آغا قزلباش، ہے نا عجیب بات، مشمولہ کاغذی پیرہن ،لاہور، مدیر شاہد شیدائی ، شمارہ ۳۷، نومبر دسمبر ۲۰۱۹، ص:۲۶

۹۔ نصیر احمد ناصر، پیش لفظ، زخموں کے پرند، سلیم آغا، لاہور: مکتبہ نردبان، ۱۹۹۴ء، ص:۷

۱۰۔ سلیم آغا قزلباش، زخموں کے پرند، لاہور: مکتبہ نردبان، ۱۹۹۴ء، ص:۳۹

۱۱۔ ایضاً، ص:۳۹

۱۲۔ منشایاد، تاثرات، مشمولہ، اسالیب سرگودھا، مدیر ذوالفقار احسن، شمارہ ۲۷، جون تا ستمبر ۲۰۱۹، ص:۴۳

۱۳۔ سلیم آغا قزلباش، ایک آواز، لاہور: کاغذی پیرہن، ۲۰۰۸ء، ص۶۵

References in Roman Script:

1. Laiq Babri, Bodliar ki nazmey, mashmola Mah e No Karachi, shumara 20, June1979, page 10,11
2. Wahab Ashrafi, Ma'ani ki Talash, Dehli, Educational Publishing House,1998, p:26,27
3. Fakhar ul haq Noori,Nasri Nazam , Lahore: Maktba Aliya, 1989, p:13

4. Makhdoom Munwar, Nasri Nazam ki Tehreek, Karachi : Adbi meyar Publications 1979, p: 58
5. Ali Muhammad Khan/Ashfaq Ahmad Virk, Asnaf e Nazam o Nasar, Lahore, Alfaisal Nashran e Kutab,2014, p:149
6. Rafi ud Din Hashmi, Asnaf e Adab, Lahore, Sang e Meel Publications, 2008, p:193
7. Saleem Agha Qazalbash, Hey Na Ajeeb Baat, Lahore Kaghzi Perhan, 2000, p:13
8. Saleem Agha Qazalbash, Hey na Ajeeb Baat, mashmola Kaghzi perhan, Mudeer: Shahid Shedai, shumara 38,Nov, Dec 2019, p:26
9. Naseer Ahamad Nasir, pesh lafaz Zakhmon kay parind,Saleem Agha qazalbash, Lahore: Maktaba Nardban1994, p:7
10. Saleem Agha Qazalbash , Zakhmon kay parind, Lahore, Maktba Nardban, 1994,p:39
11. Ibid
12. Mansha Yaad, Tasrat, mashmola Asaleeb Sargodha, mudeer Zulfiqar Ahsan, shumara 27, June to September2019, p:43
13. Saleem Agha Qazalbash, Aik awaz, Lahore, Kaghzi perhan, 2008, p:65